eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

ڈاکٹر سید مرتضٰی حسن
لیکچرار شعبہ اردو گورنمنٹ انبالہ مسلم گریجویٹ کالج سرگودھا
ڈاکٹر عظمٰی بشیر
اسسٹنٹ پروفیسر اردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Dr Syed Murtaza Hassan
Lecturer Urdu Government Ambala Muslim Graduate College Sargodha
Dr. Uzma Bashir
Assistant Professor Urdu, Lahore Leads University, Lahore

اردو آشوبیہ شاعری کا موضوعاتی مطالعہ: 1947ء تا 1971ء

THE THEMATIC STUDY OF URDU " AASHOBIAA" POETRY 1947 TO 1971

ABSTRACT

If we turn the pages of history of Sub Continent it is observed that it has been repleted with numerous unfortunate and unpleasant incidents. These tragic occurrences envisaged the political, social and economical face of this part of the world. As the incident of partition of Sub Continent at one hand brought the aspirations and desires of variegated local nations into reality , on the other hand this incident became the reason of immense human tragedy. Large number of people were brutality massacred, many lost their belongs and incidents of women raped were alarming in number. Even after the creation of Pakistan and India many political and social upheavals tormented the life of it's inhabitants. As writers have been considered the most sensitive people of any society so how they can detach themselves from such tragedy. In the shadow of such unfortunate events poetry also came on surface. This research article is an effort to bring forth the poetry and it's analysis written in these toiling times.

KEYWORDS

Sub Continent, Replete, Brutally massacred, Unpleasant incidents, Envisage, Human tragedy, Upheavals

تاریخ برصغیر پر نظر دوڑائیں تو 1947ء کا سال ایک خاص اہمیت کا حامل سال نظر آتا ہے۔ اس سال نے جہاں دنیا کے ایک عظیم خطے برصغیر کے جغرافیائی نقشے کو تبدیل کیا وہاں دوسری طرف اس خطے پر صدیوں سے موجود غیر ملکی سامراجیت سے بھی نجات ممکن ہوئی۔ جس

کے نتیجے میں یہاں کی سیاست، ثقافت اور کلچر میں نمایاں تبدیلی واقع ہونے کے ساتھ ساتھ سماج میں بھی بہت سے مثبت رویے پروان چڑھے۔ دوسری طرف دیکھا جائے تو تقسیمِ ہند کے واقعہ نے جہاں باشندگان برصغیر کو آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا وہاں اس آزادی کی لکیر لہو سے رنگین بھی ہوئی۔ جان و مال کی بربادی کے ساتھ ساتھ صرف 1947ء میں جتنی خواتین کی آبروریزی کی گئی اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان تمام حالات نے اصناف ادب خاص طور پر جدید شہر آشوب کو فکری و موضوعاتی حوالے سے جلا بخشی اور نئے نئے موضوعات شہر آشوب میں نمو پانے لگے۔ سیاسی حوالے سے دیکھا جائے تو قیام پاکستان کے بعد پاکستان ایک طرف تو شدید مشکلات کا شکار تھا تو دوسری طرف سیاسی قیادت اس بالغ نظری کا مظاہرہ کرنے سے قاصر تھی جو اس مملکت کا نظم و نسق چلانے کے لیے درکار تھی۔

برصغیر کی تقسیم جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا کہ خون سے رنگیں تھی۔ صدیوں تک ساتھ رہنے والوں نے جب علاحدگی اختیار کی تو بے پناہ خون بہایا گیا۔ تاریخ آج تک اس سوال کا جواب دینے کی سکت نہیں رکھتی کہ اس تقسیم کے نتیجے میں کتنے لوگ جان کی بازی ہار گئے اور کتنی عورتوں کی عصمتوں کو لوٹا گیا۔ تقریباً ڈیڑھ کروڑ مہاجرین کو مشرقی اور مغربی پاکستان آئے(1) ریڈکلف نے برصغیر کی تقسیم کی لکیر کسی قلم یا پنسل سے نہیں بلکہ خون آلود تلوار سے کھینچی تھی(2) مہاجرین کی لاشوں کے ٹرک روز پاکستان پہنچے۔ لاہور میں احسان دانش کی سربراہی میں ایک کمیٹی بنی جو کٹی پھٹی لاشوں کو دفنانے کا انتظام کرتی(3) تقسیم ہند کا عمل خوش اسلوبی سے نہ ہو سکا۔ وہ مہاجرین جو اجڑ کر پاکستان کا رخ کر رہے تھے ان کو آباد کرنا مشکل کام تھا۔ ڈیڑھ کروڑ افراد کی روز مرہ کی ضروریات پوری کرنا اور ان کو باقاعدہ مکانات اور روزگار مہیا کرنا دشوار کام تھا اس پر مزید یہ کہ قیام پاکستان کے وقت ہر معاملے میں پاکستان کے ساتھ دھاندلی کی گئی۔ تقسیم کے وقت ہندوستان کے پاس 4ارب کا بینک بیلنس تھا۔ جس میں سے پاکستان نے 75 کروڑ لینے تھے۔ 20 کروڑ کی پہلی قسط کے بعد ہندوستان نے ہاتھ روک لیا۔ اس پر گاندھی نے بھوک ہڑتال کی اور پاکستان کو بقایا پیسہ ملا(4) فوجی اثاثے جب تقسیم کیے گئے تو اسلحہ کے نام پر پاکستان کو پتھر اور ٹوٹے پھوٹے ہتھیار دیے گئے(5) حتیٰ کہ پاکستان کے آرمی ہیڈ کوارٹر کو ریکارڈ تک فراہم کرنے سے گریز کیا گیا اور یہ ریکارڈ دہلی جی ایچ کیو میں پڑا رہا(6) انتظامی حوالے سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس وقت پاکستان کے پاس انتظامی ڈھانچہ بہت کمزور تھا۔ تربیت یافتہ اور تجربہ کار افسران کی شدید کمی تھی۔ دفتروں کے لیے فرنیچر اور سٹیشنری تک دستیاب نہ تھی۔ ایسی صورت حال میں ضروری تھا کہ سیاسی قیادت بہت ذمہ داری کا مظاہرہ کرتی۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قائد اعظم کی رحلت کے بعد سیاسی حالات روز بروز خراب ہوتے چلے گئے۔ بہت سی سیاسی بدعتوں کا آغاز تو لیاقت علی خان کے دور سے ہی ہو گیا تھا۔ لیاقت علی خان نے وزارت عظمیٰ اور مسلم لیگ کی صدارت دونوں عہدے سنبھال لیے جب کہ پارلیمانی جمہوریت میں بہتر یہی تصور کیا جاتا تھا کہ جماعتی اور حکومتی عہدے الگ الگ رکھے جائیں۔ حکومت چلانے والوں کو پارٹی عہدے نہ دیے جائیں اور پارٹی

خود مختار ادارے کے طور پر کرتے ہوئے اپنے حکومتی نمائندوں کا احتساب کرتی رہے۔

سماجی حوالے سے دیکھیں تو 1947ء میں تقسیم ہند کے ساتھ ہی جب دو آزاد مملکتوں کا قیام عمل میں آیا تو آزادی کے ساتھ ساتھ بہت سے سماجی مسائل بھی سامنے آئے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان مسائل کا زیادہ شکار پاکستان ہوا۔ پاکستان ایک نوزائیدہ مملکت تھی۔ یہاں پر موجود غیر مسلموں نے ہندوستان کی طرف کوچ کیا تو وہاں پر موجود مسلمانوں نے اس مملکت کو نعمت خداوندی تصور کرتے ہوئے اس کی طرف ہجرت کی۔ یہ ہجرت تاریخ کی بہت بڑی ہجرت تھی۔ گھر سے اچھے مستقبل اور آزادی کے خواب آنکھوں میں سجائے نکلنے والوں کو شاید یہ معلوم نہیں تھا کہ ابھی ایک اور امتحان ان کے سامنے ہے۔ مسلمانوں کے مہاجر قافلوں پر ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے لوٹ مار اور آبرو ریزی کے حملے شروع ہو گئے تھے۔ ان حملوں میں میں گاجر مولی کی طرح مسلمانوں کو کاٹا جاتا اور شہید کیا جاتا تھا۔ وہ مسلمان جنھوں نے اس خطہ پر صدیوں حکمرانی کی تھی ان پر پہلی کاری ضرب 1857ء میں لگی تو دوسری کاری ضرب انتہا پسند ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے 1947ء میں لگی۔ عزت و آبرو بے شک عظیم سرمایہ ہوتی ہیں جب یہ سرمایہ لٹ جائے تو سماجی سطح پر بہت بدحالی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی کچھ اس وقت کے پاکستان کے ساتھ بھی ہوا۔ مہاجرین کے لیے لٹے پٹے قافلے پاکستان پہنچ رہے تھے تو مہاجرین جن کی آنکھوں میں گھروں سے چلتے وقت خوشی، مسرت اور شادمانی جھلک رہی تھی۔ پاکستان پہنچتے پہنچتے وہی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو چکی تھیں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے پیاروں کو سنگینوں کا شکار ہوتا دیکھنے والے ذہنی طور پر بہت متاثر ہو چکے تھے۔ خون آشام دور اس کے آغاز نے آزادی کو خوشی کو دھندلا دیا تھا اور بہت سے لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ اس آزادی کی نعمت کی بہت بڑی قیمت چکائی جا رہی ہے۔ ایسی صورت حال کی دل سوز عکاسی ہمیں ناصر کاظمی کی غزلوں میں بدرجہ اتم ملتی ہے ان کی کئی غزلیں ان حالات کی تصویر کشی کرتی ہیں اس اعتبار سے ایسی مسلسل غزلوں میں شہر آشوب کا عکس واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

شہر در شہر گھر جلائے گئے
یوں بھی جشن طرب منائے گئے
اک طرف جھوم کر بہار آئی
اک طرف آشیاں جلائے گئے
کیا کہوں کس طرح سر بازار
عصمتوں کے دیے بجھائے گئے (7)

ہجرت کا کرب اس عہد کا ایک نہایت ناخوش گوار تجربہ تھا۔ اس دور کی آشوبیہ شاعری میں یہ المیہ ذاتی محرومیوں اور دکھوں کے ساتھ ایک اجتماعی اذیت کے طور پر سامنے آتا ہے جس کی وجہ سے اس کرب میں مزید شدت، بے چینی اور بے بسی نظر آتی ہے۔ ہجرت کے نتیجے میں اپنے پیاروں سے دوری اور سیاسی و سماجی عدم استحکام کے سبب مستقبل کی غیر یقینی صورت حال، اداسی، تنہائی، اجنبیت، پریشانی اور اضطراب کی کیفیت اس عہد کے لوگوں کا مشترکہ احساس بن کر سامنے آتی ہے۔ شکیب جلالی کے یہاں بھی یہ احساس نمایاں نظر آتا ہے۔

جنگل میں پھر رہے ہیں وطن چھوڑآئے ہیں
دیوانے شہر سرو وسمن چھوڑ آئے ہیں
اے اجنبی دیار محبت کی اک نگاہ
ہم خانماں خراب وطن چھوڑ آئے ہیں (8)

ان دنوں حالات اس طرح کے بن چکے تھے کہ نہ کسی کی عزت محفوظ تھی نہ جان، مال و اسباب جو ساتھ لے کر چلتے وہ بھی لوٹ لیا جاتا۔ عزتیں بچانے کے لیے بہت سوں نے خود کو ہی فنا کر دیا۔ دوسری طرف بچ بچا کر پاکستان پہنچنے والوں کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ ایک طرف تو ریل گاڑیوں کے ڈبے لاشوں سے بھرے آرہے تھے تو دوسری طرف معاشرے میں زندہ بچ کر پہنچ جانے والوں کو بھی شدید مشکلات کا سامنا تھا۔ پاکستان جیسی نوزائیدہ مملکت کے لیے فوری طور پر کروڑوں مہاجرین کے لیے رہائش اور روزگار کا بندوبست کرنا ممکن نہ تھا۔ اس سارے صورت حال غیر جانب دارانہ تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انگریزی سامراج نے اس خطہ پر حکومت کرنے کے بعد یہاں سے جاتے وقت بھی اپنی عیاری اور مکاری سے اس خطہ کو امن آشتی کی بجائے جنگ وجدل اور قتل و غارت میں دھکیلنے کا ڈراما خوب کھیلا تھا

قتل و غارت گری کے علاوہ مہاجرین کی آباد کاری نہ ہونے سے بھی سماجی سطح پر شکست و ریخت رواج پانے لگی۔ اقتدار کی بدحالی سامنے آنے لگی۔ اس کے علاوہ ایک اور اہم خرابی جو اس دور میں تقسیم ہند کے فوراً بعد سامنے آئی وہ یہ بھی کہ مہاجرین کے قافلوں کو ہندو اور سکھ لوٹتے تھے لیکن یہاں کے مقامی باشندوں نے ہندوؤں اور سکھوں کی چھوڑی ہوئی جائیدادوں کو ہتھیانے میں بھی کوئی مضائقہ نہ سمجھا بلکہ اصولوں کے خلاف اور قواعد کے برعکس جہاں جس کا ہاتھ پڑا اس نے بے دریغ جائیداد ہتھیالی جس کے نتیجے میں حق داروں میں احساس محرومی جنم لینے لگا اور اس کی آزادی کی خوشی دھندلانے لگی۔ ایسی پرآشوب صورت حال کے سیاق و سباق میں ناصر کاظمی کی نظم "نشاط خواب" اپنی طرف توجہ مبذول کراتی ہے۔ اس نظم کے حوالے سے شمیم حنفی لکھتے ہیں:

"ناصر کی نظم "نشاط خواب" تو شاید آزادی اور تقسیم کے بعد لکھا جانے والا سب سے خوبصورت اور ایک نجی واردات کے بیان کے باوجود، عام اجتماعی خسارے کا احساس پیدا کرنے والا "شہر آشوب" ہے" (9)

اس ضمن میں ناصر کاظمی کی نظم "نشاط خواب" کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

انبالہ ایک شہر تھا سنتے ہیں اب بھی ہے
میں ہوں اسی لٹے ہوئے قریے کی روشنی
اے ساکنان خطہ لاہور! دیکھنا
لایا ہوں اس خرابے سے میں لعل معدنی
جلتا ہوں داغ بے وطنی سے مگر کبھی
روشن کرے گی نام میرا سوختہ تنی (10)

اس عرصہ میں آزادی کی نعمت سے تو قوم سرفراز ہو گئی لیکن اس آزادی کے ساتھ اخلاقی پستی اور اخلاقی زوال بھی آیا۔ وہی وطن عزیز جس کی آزادی کے لیے جان و مال اور عزتیں تک قربان کر دی گئیں تھیں۔ آزادی کے بعد اس میں اخلاقی پستی نمایاں طور پر دیکھنے کو ملتی ہے کہ ہر کوئی صرف ذاتی مفادات کے حصول کی تگ و دو میں لگ کر رہ گیا تھا جب کہ ملکی اور قومی جذبے مفقود ہوتے جا رہے تھے۔ ہجرت کے دوران ہونے والی قتل و غارت نے آزادی کے سورج کو گہنا تو دیا ہی تھا رہی سہی کسر بدامنی، انتشار اور مفاد پرستی نے نکال دی۔ ہر کوئی اپنے مفادات کو دوسروں کے مفادات پر ترجیح دینے لگا۔ وطن عزیز کے مستقبل کے حوالے سے کوئی جامع پروگرام ملکی اور عوامی سطح پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ بلکہ لوٹ کھسوٹ اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا قانون تھا۔ غیر قانونی الاٹمنٹ کے ذریعے جاگیریں اور گھر ہتھیائے جا رہے تھے۔ ایک طرف الٹ پٹے مہاجرین تھے جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا جن کے سر پر چھت تھی نہ پیٹ میں روٹی ان کے تن کے کپڑوں کی بجائے چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے تھے تو دوسری طرف وہ استحصالی قوتیں نبرد آزما تھیں جن کا مقصد زندگی ہی لوٹ کھسوٹ اور دوسروں کا استحصال کرنا بن کر رہ گیا تھا۔ انھوں نے ہندوؤں اور سکھوں کی چھوڑی ہوئی املاک جو اصل میں مہاجرین کا حق تھا وہ ہتھیا لیں اور اکثر مستحق مہاجرین در بدر دھکے کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس اندھیر نگری نے اس وقت کے ادبا کو خاص طور پر متاثر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات میں آشوبیہ انداز آہنگ اور آشوبیہ عناصر دکھائی دیتے ہیں۔ فیض احمد فیض کی اس حوالے سے خامہ فرسائی ملاحظہ ہو:

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں

یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہو گا شب سست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینہ غم دل (11)

فیض ترقی پسند شاعر تھے۔ سماج اور سماج سے وابستہ مختلف امور سے وہ نہ صرف گہری واقفیت رکھتے تھے بلکہ سماج پر ان کی گہری نظر تھی، سماج میں ہونے والی تبدیلیوں اور ان تبدیلیوں کے سماج پر اثرات کے حوالے سے ان کے ہاں گہرا شعور ملتا ہے۔ وہ ہجرت کے کرب سے بھی آشنا ہیں اور اس خطے پر بیتنے والے مظالم بھی ان کے دل کو جلاتے ہیں۔ استحصالی قوتوں کے خلاف ان کا قلم ہمیشہ رواں رہا۔ انھوں نے سماج کا گہرا مشاہدہ کیا تھا۔ وہ سماج کے مزاج کو نہ صرف سمجھتے تھے بلکہ یہ بھی جانتے تھے کہ سماج عناصر کے تقاضے کیا ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آزاد کی نعمت ملنے کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ یہ آزادی محض جغرافیائی حد بندیوں تک محدود ہے، ملک میں لوٹ کھسوٹ، ہجرت کے دوران کے المناک سانحہ، عصمتوں کی بے حرمتی، غیر قانونی الاٹمنٹ اور دیگر بہت سے ایسے عناصر ابھی بھی سماج کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں تو وہ اپنے کرب کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے۔

فیض کے ہاں آشوبیہ عناصر کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان کے اشعار میں نگر کے اجڑنے کا غم کم اور اقدار اور اخلاقی زوال کے نوحے زیادہ ملتے ہیں، آزادی کے بعد استحصالی قوتوں نے غریب عوام اور بے سہارا مہاجرین کی جس طرح حق تلفی کی فیض اس پر کڑھتے نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ فیض کی شاعری کے آشوبیہ عناصر میں مایوسی اور محرومی نہیں بلکہ آس اور امید ملتی۔ وہ سماج سے یہ امید رکھتے ہیں مگر ان کا سفر جاری رہا تو لازمی حقیقی آزادی کی منزل تک بھی پہنچ جائیں گے لیکن اس کے لیے جہدِ مسلسل اور سفر جاری رکھنا بنیادی شرط ہے ان کے بغیر منزل دور سے دور ہی ہوتی چلے جانے کا خدشہ ہے۔ فیض آزادی کی خوشیاں بھی مناتے ہیں۔ وہ آزادی کے خلاف نہیں لیکن ان کے ہاں نوحہ اس بات کا ہے کہ حقیقی آزادی کی منزل ابھی کافی دور ہے۔

تقسیم کے بعد شہر آشوب میں جو عنصر سب سے نمایاں ملتا ہے وہ ہجرت کا کرب ہے۔ ہجرت سے لوگوں کو نہ صرف اپنے گھر بار او رمال و دولت چھوڑنے پڑے تھے بلکہ بہت سے ایسے بھی تھے جنھیں قریبی رشتوں کی قربانی بھی دینی پڑی تھی۔ اس کے علاوہ ہجرت کے دوران راستے میں بہت سے ایک دوسرے سے بچھڑ کر رہ گئے تھے اس کرب کا بیان رشتے ناتے ٹوٹ جانے کا غم ناصر کاظمی کے ہاں ملتا ہے۔

گلی گلی آباد تھی جن سے کہاں گئے وہ لوگ
دلی اب کے ایسی اجڑی گھر گھر پھیلا سوگ
سارا سارا دن گلیوں میں پھرتے ہیں بیکار
راتوں اٹھ اٹھ کر روتے ہیں اس نگری کے لوگ
سہمے سہمے سے بیٹھے ہیں راگی اور فنکار
بھور بھئے اب ان گلیوں میں کون سنائے جوگ
جب تک ہم مصروف رہے یہ دنیا تھی سنسان
دن ڈھلتے ہی دھیان میں آئے کیسے کیسے لوگ (12)

یہ ایسا کرب تھا جس نے اس وقت کے شعراء اور ادبا کو بھی خاص طور پر متاثر کیا تھا۔ ادیب چوں کہ معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے۔ معاشرے میں ہونے والے حالات و واقعات سے وہ دیگر لوگوں کی بہ نسبت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ یہی کچھ اس وقت کے شعرا کے ساتھ بھی ہوا او روہ اس کرب ناک واقعہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ہجرت کے وقت آزادی کی جو خوشی تھی اسے قتل و غارت اور جدائی کے دکھ نے دھندلا دیا تھا۔ لوگ گھروں سے تو نکل پڑے تھے لیکن انھیں یہ امید نہیں تھی کہ منزل پہ بھی پہنچ جائیں گے یا نہیں۔ یاس و آس کی کشمکش میں وہ زندگی کی گاڑی کھینچ رہے تھے۔ سکندر کے ہاں بھی ہجرت کے بعد کا کرب اور غم نمایاں نظر آتا ہے۔ سکندر کو اس بات شدید دکھ تھا کہ آزادی کی صورت میں جو خون کی تلوار چلائی گئی ہے اس میں کٹنے مرنے والوں کا پُرسان حال کوئی نہیں ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے آزادی کے لیے چل نکلے تھے۔ وہ راستوں میں لٹتے مرتے جب منزل پر پہنچ بھی گئے تو لامکانیت اور بے بسی ان کا مقدر بنے کھڑی تھی۔

سیاسی سطح پر پائی جانے والی افراتفری اور نااہل لوگوں کی حکمرانی کی وجہ سے ملک میں سماجی سطح پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ سماج کے لوگوں نے ایک دوسرے کی ضروریات اور عزت و وقار کا خیال رکھنے کی بجائے مجبوروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ ملک میں قانون کی حکمرانی نہ ہونے کی وجہ سے ہر کوئی اپنی مرضی کے فیصلے کرنے اور دوسروں کا استحصال کرنے میں آزاد تھا۔ جب ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو معاشرے میں وحشت، بربریت اور افراتفری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس دور میں بھی ایسا ہی ہوا اور یہی موضوع اس دور کے شہر آشوب کا بڑا موضوع بن کر سامنے آیا، اس دور میں معاشرے میں سماجی برائیاں عام ہونے لگی تھیں۔ جس کے پاس

اختیار تھا وہ اسے اپنے مفادات کے لیے استعمال کرنے میں لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے سماجی سطح پر منفی عناصر کو پھلنے پھولنے کے وسیع مواقع مل رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں عناد، سنسنی خیزی، رشوت، فساد اور رہزنی کے عناصر خوب پروان چڑھے۔

علم جو کہ انسان کو انسانی اقدار اور اعلیٰ اخلاق سکھاتا ہے اس کی اس طرح بے توقیری کا سبب بنا کسی المیہ سے کم نہ تھا۔ اس دور کی آشوبیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے اس دور میں انصاف کے ترازو کی عدم مساوات اور اقدار کی بدحالی پر بھی نوحے ملتے ہیں۔ وہ ملک جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اس میں ناانصافی کا چلن اور اقدار کی پامالی پر فیض احمد فیضؔ کا شہر آشوب ملاحظہ ہو:

اب بزم سخن صحبت لب سوختگاں ہے
اب حلقۂ مے طائفہ بے طلباں ہے

گھر رہیے تو ویرانی دل کھانے کو آوے
رہ چلیے تو ہر گام پر غوغائے سگاں ہے

پیوند رہ کوچہ زر چشم غزالاں
پابوس ہوس افسر شمشاد قداں ہے

یاں اہل جنوں یک بہ دگر دست و گریباں
واں جیش ہوس تیغ بہ کف درپئے جاں ہے

اب صاحب انصاف ہے خود طالب انصاف
مہر اس کی ہے میزان بہ دست دگراں ہے

ہم سہل طلب کون سے فرہاد تھے لیکن
اب شہر میں تیرے کوئی ہم سا بھی کہاں ہے (13)

یہاں تک شہر آشوب کو جو فکری اور موضوعاتی جائزہ لیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں آشوبیہ شاعری میں موضوعاتی حوالے سے خاصا تنوع واقع ہوا ہے۔ ہجرت کے کرب اور المناک سانحات سے وسعت پیدا ہوئی ہے۔ ہجرت کے کرب اور المناک سانحات نے شعراء کی فکر کو خاص طور پر متاثر کی اور 1947ء کے بعد کچھ سالوں تک تو شاعری سمیت تقریباً تمام اصناف ادب پر ہجرت، لاشوں کی بے حرمتی، عصمت دری، تقسیم کے سانحات چھائے رہے۔ شہر آشوب پر بھی ہجرت اور تقسیم کے دیگر سانحات کا خاصا اثر پڑا۔ ہجرت کے علاوہ جو دوسرا موضوع اس دور سے شہر آشوب میں داخل ہوا۔ وہ مقتدر طبقہ کی نااہلی تھا۔ سیاسی اشرافیہ سیاسی طور پر کسی پختگی کا ثبوت نہیں دے رہی تھی اس کے علاوہ ملک کا کچھ سالوں تک بغیر آئین کے چلتے رہنا لا قانونیت اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مفروضے کی تقویت دیتا رہا۔ اقتدار کے ایوانوں میں پائے جانے والی لاقانونیت نے سماج کو بھی خاص طور پر متاثر کیا یوں سماجی سطح پر بھی لاقانونیت رائج پانے لگی۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ بار بار مارشل کے نفاذ نے رہی سہی جمہوری اقدار کو بھی تباہ کر کے رکھ دیا یوں ملکی سیاست زبوں حالی کا شکار ہوتی چلی گئی اور یہی زبوں حالی ہمیں اس دور کے شہر آشوب کی فکری فضا کو تشکیل کرتے رہے۔ اس وقت کی آشوبیہ شاعری میں اس صورت حال کی ترجمانی اس انداز میں ملتی ہے۔

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے
نظر چرا کے چلے ، جسم و جاں بچا کے چلے
ہے اہل دل کے لیے اب یہ نظم بست و کشاد
کہ سنگ و خشت مقید ہے اور سگ آزاد (14)

حوالہ جات

1۔ قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز1202ء)، ص199

2۔ اخلاق احمد دہلوی، یادوں کا سفر، (لاہور: مکتبہ عالیہ، 1991ء)، ص260

3۔ احسان دانش، جہانِ دانش (لاہور: خزینہ علم وادب، 2002ء)، ص207، 206

4۔ قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، ص197

5۔ الطاف گوہر، گوہر گزشت (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2007ء)ص132

6۔ حمزہ علوی، تخلیق پاکستان تاریخی وسماجی مباحث، ترجمہ: ڈاکٹر ریاض احمد شیخ (لاہور: کتاب محل، 2010ء)، ص90

7۔ ناصر کاظمی، کلیات ناصر (لاہور: جہانگیر بکس، 2010ء)ص45

8۔ شکیب جلالی، کلیات شکیب جلالی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2004ء)، ص171

9۔ شمیم حنفی، ادب، ادیب اور معاشرتی تشدد (ملتان: بیکن ہاوس، 2015ء)ص147

10۔ ناصر کاظمی، نشاط خواب، (لاہور: فضل حق اینڈ سنز، 1992ء)ص14

11۔ فیض احمد فیض، صبح آزادی، نسخہ ہائے وفا، (لاہور: مکتبہ کارواں، 2010ء)، ص116

12۔ ناصر کاظمی، کلیات ناصر، ص59

13۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، ص411

14۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، ص161